شام اودھ وہ صبح بنارس کی دلکشی
وہ پاسباں کے حسن کی ادنیٰ غلام ہے
(شفیق قاسمی اعظمی)

جمع و ترتیب
مسعود اعجازی اورنگ آبادی ممبر آف پاسبان علم وادب

نام کتابچہ	:	پاسبانی دستر خوان
جمع و ترتیب	:	مسعود اعجازیؔ اورنگ آبادی
صفحات	:	پچاس (50)
اشاعت	:	/ نومبر / 8 2018 سنہ عیسوی
ترتیب و تزئین	:	مسعود اعجازیؔ اورنگ آبادی
موبائل نمبر	:	(+91) 9309827381

فہرست

(۷) ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند کا باہمی ربط
بقلم :- مولوی عبدالمالک بلند شہری۔ متعلم ندوہ

---

(۸) ابن بطوطہ وقتی

بقلم مولانا طہ جون پوری صاحب

---

(۹) بڑے حضرت کی بڑی باتیں
بقلم مولانا شفیع اللہ اعظمی قاسمی صاحب

---

(۱۰) کہیں کی بولی کہیں کی گالی

بقلم ڈاکٹر ذاکر ندوی صاحب

---

(۱۱) مخاطب کی مراد سمجھنا بہت ضروری ہے
بقلم ڈاکٹر ارشد اعظمی قاسمی صاحب

---

(۱۲) یک لطیفہ

بقلم مولانا عبید اللہ اعظمی صاحب

---

(۱۳) ایک قیمتی نصیحت

بقلم مولانا عبد الحمید نعمانی صاحب

حمد پاک

بقلم :- مولانا شفیق قاسمی اعظمی

خداکی حمد بھلا ہم سے کیا بیاں ہو گی
کہیں گے کچھ بھی ادھوری ہی داستاں ہو گی

نظر فریب یہ جلوے یہ آسماں یہ زمین
انہیں دو چار میں لپٹی ہوئی زباں ہو گی

تصورات سے بالا ہے ذات پاک اسکی
ہر ایک بات فضا میں دھواں دھواں ہو گی

"شفیق آعظمی" لیس کمثلہ شئ
بس اتنی بات ہے جو زیب داستان ہو گی

نعت پاک

بقلم :- مولانا شفیق قاسمی اعظمی

میری نہیں یہ نور ھدایت کی بات ھے
ظلمت کدہ میں شمع رسالت کی بات ھے

اھل سخن کے بیچ یہ جادو بیاں کلام
معجزنما ھے حسن خطابت کی بات ھے

شاعر نہیں تھے شاعری لائق نہ تھی انہیں
الفاظ کبریا کی حکایت کی بات ھے

دریتیم جو کبھی مکتب نہیں گیا
حکمت بھرا کلام رسالت کی بات ھے

دنیائے کشت و خون کو پر امن کردیا
یہ تو نبی کے حسن قیادت کی بات ھے

فاقے سے چور پیٹ پہ پتھر کو باندھ کر
چٹان توڑ دینا شجاعت کی بات ھے

سننا سنانا مدح پیمبر شبانہ روز
یہ تو،، شفیق،، تیری سعادت کی بات ھے

بے ربط چند لکیریں

بقلم :- مسعود اعجازیؔ اورنگ آبادی

پاسبان علم و ادب۔ ایک واٹسپ گروپ ہے۔ وہ صرف واٹسپ گروپ ہی نہیں بلکہ واٹسپ گروپ کی شکل میں وہ ایک مدرسہ ہے ایک خانقاہ ہے ایک یونیورسٹی ہے یہی نہیں بلکہ وہ ایک فقہی اکیڈمی ہے جہاں پر آئے دن نت نئے (دینی ملی سماجی شرعی) مسائل پر بحث مباحثے ہوتے رہتے ہیں

یہ ایک ایسا مرکز ہے

جہاں بھارت کے مختلف صوبہ جات سے مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے اہل علم و فضل، اہل قلم و ہنر، اہل زبان و ادب، علماء صلحاء، شعراء ادباء، خطباء، ڈاکٹرز و وانجینئر، مضمون نگار و نثر نگار، صحافی کالم نگار جمع ہے

جہاں روحانی و جسمانی اطباء جمع ہے

اسمیں مدارس کے منتظمین بھی ہے

کئی مدارس کے بانیان بھی ہے

استاد الاساتذہ ہے

کئی مدارس کے شیخ الحدیث شامل ہے

ایسے بھی لوگ شامل ہے جو کئی کتابوں کے مصنف ہے

مختصر یہ کہ واقعی یہ پاسبان علم و ادب کی ایک جماعت ہے

یہ تمام احباب بھارت سے تعلق رکھنے والے ہیں

بہت سے احباب وہ بھی ہے

جو دیگر ممالک میں دینی علوم کی اشاعت میں مصروف ہے
جو وقتاً فوقتاً اپنے قلم سے اپنی صلاحیت سے اپنے تجربوں سے اپنی محبتوں سے
پاسبان کو نوازتے رہتے ہیں۔

مجھ جیسے طالب علم کے لئے پاسبان کی شمولیت سعادت کی بات ہے
یقیناً پاسبان میں رہکر بہت کچھ سیکھنے کوملرہا ہے
اللہ تعالیٰ سے دعا ہیکہ
پاسبان اور اہل پاسبان کی عمروں میں برکتیں عطاء فرمائے۔ آمین

بندہ نے پاسبان سے مفید و معلوماتی مضامین کو جمع کرکے آپ حضرات تک پھونچا
نے کی کوشش کی ہے

بندے کی مصروفیت اور موبائل پرابلم کی وجہ سے بہت سا مواد ضائع بھی ہوگیا
جو بھی مضامین ہاتھ آئے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کردیا ہوں

عاجز کی بہت دنوں سے یہ خواہش تھی لیکن کاہلی مانع تھی

ویسے یہ بہت ہی خوشی کی بات ہیکہ پاسبان علم و ادب کا دو ماہی رسالہ جاری ہورہا
ہے جو شاید کے یکم جنوری 2019 سے شروع ہونگا
امید ہیکہ اسکے ذریعہ سے پاسبان کا پیغام ملک بھر میں و دیگر مالک میں پھونچے گا

پاسبان کے دو ماہی رسالہ میں گروپ میں ترسیل کئے جانے والے سارے مضامین
تو شائع نہیں ہونگے
اس لئے عاجز کی یہ کوشش رہے گی کہ ہر ماہ مناسب مضامین کو اس طرح بشکل
پی ڈی ایف اپ حضرات کی خدمت میں پیش کرو

یہ عاجز کی پہلی سعی ہے
امید ہیکہ آئندہ کے لئے مفید مشوروں سے نوازیں گے

یہ ٹوٹی پھوٹی تحریر اور اس جمع شدہ مواد میں کچھ کمی پیشی ہو تو درگزر فرمائے

مسعود اعجازی اورنگ آبادی

پاسبان کا تعارف

بقلم :- ترجمان پاسبان مولانا خالد قاسمی صاحب

پاسبان علم و ادب میں ہرنو وارد پاسبان کے کثرت پیغامات کو دیکھ اکتا سا جاتا ہے لیکن جب وہ کچھ دن پاسبان کی ہوا کھالیتا ہے تو وہی کثرت پیغامات اس کی دلچسپی کا باعث بن جاتی ہے .
کبھی اگر پیغامات کی آمد کچھ دیر کیلئے موقوف ہوجاتی ہے تو لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا بات ہے پاسبان میں سناٹا ہے.
پیغامات کی کثرت کی وجہ سے بہت سی نامناسب باتیں ناشائستہ پوسٹس اور قابل اعتراض تصویریں اور ویڈیوز بھی آجاتی ہیں کبھی کبھار کسی مسئلے میں بحث طول پکڑ لیتی جس کی وجہ سے کچھ ناگفتنی بھی ہوجاتی ہے جب کوئی ان تمام چیزوں کو دیکھتا ہے تو اسے گروپ کا پاسبان علم و ادب نام ہونے پر حیرت ہوتی ہے کہ یہ کونسی علم و ادب کی پاسبانی ہے.
لیکن ان کا اعتراض اس وقت ختم ہوجاتا ہے جب کسی کا انٹرویو ہوتا ہے اور اس کے بعد اہل قلم علمی تبصروں اور ادب سے پر تاثرات کی شکل میں اپنے پاکیزہ خیالات اور دلکش احساسات کی خوشبو بکھیرتے ہیں تو اس وقت ان کا دل بےساختہ پکار اٹھتا ہے کہ یقیناً یہ
پاسبان علم و ادب ہے.

پاسبان علم و ادب کیا ہے؟

بقلم :- مولانا امجد صدیقی ممبر آف پاسبان علم و ادب

پاسبان علم وادب صرف ایک واٹس ایپ گروپ نہیں بلکہ ایک تحریک ہے ایک ادارہ ہے ایک انجمن ہے
جہاں علمی ، فقہی ، سیاسی ، سماجی ، معاشرتی ، مسائل پر صرف تبصرے نہیں ہوتے ہیں بلکہ عملی اقدام کی بھی حتی الامکان کوشش کی جاتی ہے
یقین مانئے
احقر بلا مبالغہ تقریباً پچاس وہاٹش ایپ گروپ سے منسلک ہے
لیکن جتنا فعال اور متحرک یہ پاسبان علم وادب ہے کوئی گروپ نہیں ہے
گروپ کی فعالیت ارکان کی فعالیت پر موقوف ہوتی تو نتیجہ یہ نکلا کہ اس گروپ کے سارے ارکان و ممبران نہایت فعال ہے
اس گروپ کو میں ایک مدرسہ سمجھتا ہوں جہاں فقہ حدیث علم کلام طب تمام علوم و فنون پر سیر حاصل گفتگو کی جاتی ہے
تبصروں پر تبصرے اس گروپ کی امتیازی خاصیت ہے
تحقیقی تحریر پر تائیدی حاشیہ ڈالنا پھر حاشیہ پر بین السطور کا انضمام جیسے خصوصیات اس گروپ کو ایک علمی انجمن کی شکل دے دیتے ہیں

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے

بقلم :- ڈاکٹر سلیم خان صاحب ، رکن جماعت اسلامی

غالب کا محبوب نکتہ چیں تھا اس لیے وہ بیچارہ اپنا غم دل نہیں سنا پاتا تھا۔ عاشق صادق اپنی کم مائیگی کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ 'کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے'۔اسی کے ساتھ غالب کا یقین کامل بھی ملاحظہ فرمائیں 'یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات'۔ اس دگرگوں صورتحال میں مایوس ہونے کے بجائے شاعر اعظم رب کائنات سے رجوع کرکے نہایت دلچسپ دعا کرتا ہے 'دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور'۔ غالب کو پتہ تھا کہ ترسیل اور تفہیم کے لیے زبان و دل کے درمیان رابطے کا استوار ہونا ناگزیر ہے۔ بات اسی وقت بنتی ہے کہ جب وہ زبان سے نکل کر دل میں اتر جائے۔ بصورتِ دیگر وہ اپنے من کی بات تو ہوتی ہے لیکن دوسروں کے دل کی بات نہیں بن پاتی۔ اس تناظر میں غالب اپنے رب سے فریاد کرتا ہے کہ یا تو معشوق کا دل بدل دے تاکہ وہ میری بات کو سمجھ سکے ورنہ میری زبان بدل دے۔ یعنی مخاطب کے قلب و ذہن میں وہ تبدیلی برپا کرکے کہ وہ میری بات سمجھنے کے قابل ہوجائے یا مجھے وہ لب و لہجہ عطا کر کہ میں اس کے دل پر دستک دے سکوں۔عصر حاضر میں ذرائع ابلاغ کے مشکل ترین چیلنج کا حل اس شعر کے اندر پوشیدہ ہے ۔ آج کل ماس میڈیا اور سوشیل میڈیا میں وہی کامیاب ہوپاتا ہے جو مخاطب کی زبان بولتاہے اور اس کا دل یعنی نکتۂ نظر بدل دیتاہے ورنہ جو معاملہ غالب کے ساتھ ہوتا تھا وہ ہر ناکام مرسل کے ساتھ ہوسکتا ہے۔

اقبال نے غالب کے متعلق کہا ہے " تھا سراپا روح تو، بزمِ سخن پیکر ترا،" لیکن اسی کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ "زیب محفل بھی رہا، محفل سے پنہاں بھی رہا"
غالب نے چونکہ اگلے زمانے کی شاعری کی اس لیے ہم عصر ناقدین کی قدردانی کرنے سے محروم رہا۔ ایک ایسے دور میں جبکہ شاعری غم جاناں کے زلف گرہ گیر کی اسیر ہو غمِ دوراں کے ساتھ وارد ہونے والے کی پذیرائی مشکل تھی ۔ غالب قصیدے مشہور نہیں ہوئے۔ اس نے مغلیہ سلطنت کا چراغ بجھتے دیکھا لیکن اپنے دور کی مرثیہ خوانی کے بجائے شاعری کے ذریعہ مذہب و فلسفہ کے اسرارو رموز کھولنے کا بیڑہ اٹھایا۔یہ اس وقت کی شاعری میں ناپید تھا۔ غالب نے اپنے سرِ دیوان شعر میں نقش فریادی کی شوخی بیان کرنے کے بعد دنیا کی بے ثباتی کو کاغذی پیرہن میں سجا کر پیش کردیا ۔ غالب کو جب احساس ہوا کہ اس بلند خیالی پر کمند ڈالناہر خاص و عام کے بس کی بات نہیں تو یہ بھی کہہ دیا۔

آگہی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھائے   مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

آج کل ذرائع ابلاغ کام کرنے والوں کا جو مسئلہ ہے وہی غالب کی دقت تھی۔ یہ ان لوگوں کا مسئلہ ہے جن کا مدعا عنقا ہونے کے سبب مخاطب کے سر کے بہت اوپر سے گزرجاتا ہے ۔ سامعین و ناظرین لاکھ کوشش کے باوجود اسے اپنے دامِ آگہی میں قید نہیں کرپاتے ۔ ترسیل و ابلاغ کی دنیا میں کہنے والے اور سننے والے کی سطح کا فرق زہر ہلاہل ہے۔ غالب کے برعکس ہم یہ جاننا ہی نہیں چاہتے کہ ہمارا مخاطب کہاں کھڑا ہے تا کہ یاتو اس کو اپنے معیارپر لاسکیں یا اس کے معیار پر خود جاسکیں ؟ اس کے لیے کبھی اونچا اٹھنا پڑ سکتا ہے تو کبھی نیچے

اترنے کی نوبت آسکتی ہے لیکن نہ صرف زبان و بیان بلکہ عقل وفہم کے معیار پر بھی دونوں کا ایک سطح پر ہونا ناگزیر ہے۔ کسی بات کا مخاطب کے سر
سے گذر جانا بولنے والے نقص ہے لیکن وہ اس کی اصلاح کرنے کے بجائے شکایت کرتا ہے۔ غالب کو چونکہ اپنی کمزوری کا احساس ہوگیا اس لیے اس پر قابو پانے کے لیے مذکورہ دعا کی جسے اس طرح شرف قبولیت عطا ہوا کہ جہان فانی میں مرزا غالب کو لافانی بنادینے کے لیے یہ ایک شعر بھی کافی ہوگیا

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے ؛کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

نعمت کیا

بقلم مولانا شفیع اللہ قاسمی اعظمی صاحب

ایک بار حجاج نے امام جوہری سے پوچھا کہ نعمت کیا ہے انہوں نے فرمایا۔ امن ۔ حجاج نے کہا اور کچھ تو انہوں نے کہا ۔۔۔ صحت ۔۔۔ حجاج نے کہا اور کچھ بتائیں تو انہوں نے کہا ۔۔شباب۔۔ حجاج نے پھر کہا اور کچھ تو انہوں نے فرمایا ۔۔۔
مالداری ۔۔۔اور فرمایا کہ ان سب کے بغیر زندگی سے صحیح طور پر فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا ہے حجاج نے کہا مزید بتائیں ۔تو امام جوہری نے فرمایا اس سے بڑی نعمت تو میں کسی اور چیز کو نہیں جانتا ہوں ۔

ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند کا باہمی ربط

بقلم :- مولوی عبدالمالک بلند شہری۔ متعلم ندوہ

بر صغیر کے معروف اداروں و تربیت گاہوں میں سر فہرست دو ادارہ آتے ہیں ایک دیوبند میں واقع دارالعلوم اور دوسرا لکھنو میں واقع ندوۃ العلماء --

یہ دونوں ادارہ تاریخ کا تابناک و درخشاں باب ہیں ---

غیر منقسم ہندوستان میں جب الحاد و دہریت اور بے دینی و ضلالت کی آندھیاں چل رہی تھیں اس وقت اصحاب علم و فضل کے صف اول کے بعض دور اندیش و اولوالعزم علماء نے ان طاغوتی تھپیڑوں سے قندیل رہبانی و شمع آلہی کی حفاظت کے خاطر جن دونوں قلعوں کی داغ بیل ڈالی تھی انہوں نے روز اول سے تا امروز دین حق کے چراغ روشن رکھے اور ہر طرح کے نامساعد حالات و مخالف فضا کے باوجود ہندوستانی مسلمانوں کی دینی، ایمانی اور روحانی تشنگی کو سیر اب کیا اور دین الہی مذہب خدائی کے متعلق ان کے قلوب و اذہان میں پنپنے والے شکوک و شبہات کا بڑی حسن و خوبی کے ساتھ ازالہ کیا ---

دونوں اداروں کا جس طرح علمی نسب اور فکری منہج مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رح پر منتج ہوتا ہے اسی طرح روحانی سلسلہ بھی شخص واحد پر منتھی ہوتا ہے ---

یاد رہے اگر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کے ایک خاص خلیفہ و مجاز مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمۃ نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا تھا تو وہیں حاجی صاحب ہی کے دوسرے خلیفہ مجاز بیعت فاتح قادیانیت مولانا سید محمد علی

مونگیری رح نے ندوۃ العلماء کی داغ بیل ڈالی تھی ۔۔اگر حاجی صاحب کے دو خلیفہ مولانا رشید احمد گنگوہی رح و م ولانا اشرف علی تھانوی رح نے دیوبند کی عرصہ دراز تک بے لوث سرپرستی و عظیم خدمت کی تھی تو دوسری طرف حاجی صاحب ہی کے دوسرے دو ممتاز خلیفہ مولانا سید عبدالحئ حسنی رح و مولانا حیدر حسن خان ٹونکوی رح نے اپنے خون جگر سے ندوۃ العلماء کی آبیاری کی ۔۔۔۔جس طرح حاجی صاحب دیوبند کے متعلق فکر مند رہتے تھے بلکل اسی طرح ندوہ کی ترقی و رفعت کے لئے بھی ہمہ دم متفکر و دعا گو رہتے ۔۔۔یہ باتیں بلا دلیل و برہان کے نہیں کہیں جارہی ہیں دونوں اداروں کی تاریخ سے ہر باخبر شخص اس بات سے سو فیصد اتفاق کرے گا ۔۔۔۔خود ندوۃ العلماء کے قیام میں جو حضرات معاون رہے ان میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ و حضرت حکیم الامت رح وغیرہ بھی شامل تھے ۔۔۔دونوں اداروں میں ہمیشہ اپنائیت و محبت کا تعلق رہا ہے ۔۔۔یہی وجہ ہے کہ جانشین شبلی علامہ سلیمان ندوی رح، و معروف ندوی فاضل مولانا عبدالباری ندوی رح نے اپنی باطنی اصلاح و تزکیہ نفس کے لئے قاسمی النسبت ، سرپرست دارالعلوم دیوبند حضرت حکیم الامت رح کے آستانہ پر حاضری دے کر اپنی جبین نیاز خم کی اور بے خوف و خطر اپنے اس عمل سے اس بات کا بین ثبوت دیا کہ ندوہ اور دیوبند دونوں فکری و روحانی طور پر ایک ہی ادارہ ہیں ۔۔اسی طرح ڈاکٹر عبدالعلی حسنی رح نے شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند علامہ انور شاہ کشمیری رح کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرے اسی تعلق کو مضبوط کیا پھر آگے چل کر اسی روایت کو مفکر اسلام مولانا علی میاں رح نے برقرار رکھا۔۔وہ حضرت مدنی رح کے صرف شاگرد رشید ہی نہیں تھی بلکہ خلیفہ مجاز بھی تھے ۔۔ حضرت مدنی رح نے از خود علی میاں صاحب رح کو بیعت کرنا چاہا تھا

اور آپ پر مکمل اعتماد ظاہر کیا تھا ۔۔۔اسی طرح قاسمی عالم دین مولانا مناظر احسن گیلانی رح کو تو ندوہ کے در و بام سے حد درجہ عشق تھا ۔۔۔معروف مناظر اور دیوبند کے رکن شوریٰ علامہ انور شاہ کشمیری رح کے نامور شاگرد علامہ منظور نعمانی رح و مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رح کی طویل رفاقت اور مثالی معاصرت سے آگاہ تو ہر عالم دین ضرور ہوں گے ۔۔۔۔۔۔

دارالعلوم دیوبند سے علی میاں رح و اکابرین ندوہ کا بڑا گہرا تعلق رہا ہے یہی وجہ تھی کہ جشن صد سالہ کے مبارک موقع پر ناظم ندوہ مولانا علی میاں رح کو بھی خطاب عام کا موقع دیا گیا تھا ۔۔۔ان کی یہ تقریر کافی مشہور بھی ہوئی اور آگے چل کر کتابی شکل میں بھی شائع ہوئی۔۔اسی طرح علی میاں رح کو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا ممبر بھی نامزد کیا گیا تھا ۔۔ایک عرصہ تک حضرت نے وہاں کی انتظامیہ کو اپنے مفید مشوروں و بے لاگ تبصروں سے نوازا تھا۔۔آخری دور میں جب قضیہ نا مرضیہ پیش آیا تو حضرت قاری صدیق باندوی رح، مولاناولانا شاہ عبدالحلیم جونپوری رح ، منظور نعمانی رح کی طرح علی میاں رح نے بھی غیر جانبداری کا مظاہرہ کیا اور آخر دم تک دونوں دھڑوں میں اتحاد کرنے کی بے لوث کوشش کرتے رہے ۔۔۔۔۔نیز مولانا علی میاں رح کی اکابر دیوبند کے ہاں بڑی قدر و منزلت تھی ۔۔۔ حضرت شیخ زکریا رح کو تو حضرت علی میاں پر حد درجہ اعتماد تھا اسی طرح حضرت تھانوی رح کے خلیفہ مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ رح کا یہ جملہ تو کتابوں میں بھی مذکور ہے کہ بہت سے لوگوں سے ملنا ہوا سب کو دیکھا لیکن جو دل کی صفائی علی میاں رح کے ہاں دیکھی وہ کہیں نا ملی علی میاں کا دل آئینہ کی طرح صاف و شفاف اور بے داغ و غبار ہے ۔۔۔

اسی طرح حضرت رائےپوری قدس سرہ کا ارشاد علی میاں مثل آفتاب و ماہتاب
ہے جس کی ضوفشانی سے سارا عالم تابندہ ہے ان کے علاوہ مولانا الیاس کاندھلوی
رح کا حضرت ندوی سے جو تعلق تھا وہ سب پر عیاں ہے تبلیغی جماعت کو آفاقیت و
ہمہ گیریت سے شادکام کرانے میں حضرت علی میاں رح کے علاوہ فضلائے ندوہ
مولانا عمران خان ازہری بھوپالی رح، مولانا محمد حسنی رح، مولانا معین اللہ اندوری
رح، مولانا سید رابع حسنی مدظلہ (1929)، مولانا عبداللہ حسنی رح اور مولانا غزالی
بھٹکلی رح کا جو کردار رہا ہے وہ جگ ظاہر ہے ۔۔اس میدان میں فضلائے ندوہ
نے جو لازوال نقوش ثبت کئے ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں ۔۔ اور نا صرف کل
بلکہ ہنوز علمائے ندوہ کا دیوبند و مظاہر علوم سے ربط اسی طرح مستحکم و پائیدار
ہے ۔۔خود ناظم ندوہ مولانا سید رابع حسنی مدظلہ حضرت مدنی رح کے شاگرد ہیں
اسی طرح حضرت مدنی رح کے آخری دور کے شاگرد اور 1957 میں دارالعلوم
دیوبند سے فراغت حاصل کرنے والے ملک کے عظیم فقیہ مولانا برہان الدین
سنبھلی مدظلہ ندوہ کے قدیم و موقر استاذوں میں سے ہیں بلکہ شیخ التفسیر کے عہدہ
پر بھی فائز رہ چکے ہیں ۔۔اسی طرح دوسرے استاذ مولانا عتیق احمد بستوی مدظلہ
(1954) بھی دیوبند ہی کے فیض یافتہ ہیں ۔۔ شیخ الحدیث ندوہ مولانا زکریا سنبھلی
مدظلہ(1943) نے بھی ابتدا دارالعلوم دیوبند سے 1966 میں فراغت حاصل کی
اور شیخ فخر الدین مرادآبادی رح سے بخاری شریف پڑھی ۔۔۔اسی طرح استاذ
محترم مولانا مظہر الحق کریمی مدظلہ بھی دیوبند کے فارغ ہیں ۔۔۔۔

دوسری طرف دیوبند کے مایہ ناز ادیب مولانا نور عالم خلیل امینی مدظلہ (1952)
نے ایک طویل عرصہ تک ندوۃ العلماء میں تدریسی فرائض انجام دئے ہیں

اور ساتھ ہی ساتھ مولانا علی میاں ندوی رح سے کسب فیض کیا ۔۔۔
ان کے علاوہ دارالعلوم وقف دیوبند کے سابق مہتمم خطیب الاسلام مولانا سالم قاسمی رح (1926۔2017) بھی طویل عرصہ تک ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے معتبر رکن رہے ہیں ۔۔۔
ان سب تصریحات کے بعد یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ندوہ و دیوبند کوئی علیحدہ یا مختلف ادارہ نہیں ہیں بلکہ دونوں ایک ہی مشن کے علمبردار اور ایک ہی مقصد کے تحت سرگرم عمل ہیں ۔۔۔
مگر افسوس بعض عاقبت نااندیش لوگ دونوں کے درمیان خلیج قائم کرنے کی ناپاک کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔۔یہ متعصب لوگ دونوں طرف ہی پائے جاتے ہیں جو ادارہ کی شبیہ کو مسخ کرنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں ۔۔انہی کی وجہ سے دونوں کے محبین کی درمیان وہ جنگ چھڑتی ہے جس کا نتیجہ ایک دوسرے کی کمیوں ، کوتاہیوں کو بیان کرکے ان پر سب و شتم کرنا ہوتا ہے ۔۔۔
خبردار رہیۓ ایسے لوگوں سے ۔۔۔یہ آپ کو آپس میں لڑائیں گے ۔۔۔ایسے لوگوں کو منھ نہیں لگانا چاہیۓ ۔۔چاہے ادھر کے ہوں چاہے ادھر کے اور چاہے کتنے ہی ذی علم اور با اخلاق مانے جاتے ہوں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسی لئے تمام لوگوں سے درخواست ہے ان کے بہکاوے میں آکر ان کا آلہ کار نا بنیں اس سے اپنا تو کوئی فائدہ نہیں ہونے والا البتہ اغیار کو ہنسنے کا ضرور موقع ملے گا ۔۔۔ندوہ اور دیوبند دونوں ہماری آنکھیں ہیں ۔۔ہماری شان اور پہچان ہیں ۔۔ہمارے علماء کی یادگار ہیں جو ان دونوں کے درمیان دوری کو بڑھاوا دے گا اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ۔۔۔فرد واحد کی رائۓ کی وجہ سے اگر ادارہ کو مطعون کیا جائۓ تو خدا کی قسم نا تو ندوۃ العلماء محفوظ رہے گا اور نا دارالعلوم دیوبند ۔۔

کمیاں دونوں میں ہیں ۔۔اچھائیاں دونوں میں ہیں ۔۔بہتر ہے کمیوں کو نا اچھالا جائے اور اچھائیوں کا پرچار کیا جائے ورنہ اگر حقائق کے نام پر کمیاں بیان کی جانے لگیں نا تو ہوگیا بس اتحاد ۔۔۔۔۔۔خدارا اس جانب التفات کیجئے ۔۔جلدی توجہ کیجئے مبادا ایسا نا ہو کہ بہت دیر ہو جائے اور ہمارے پاس کف افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نا رہے ۔۔۔۔۔۔۔۔

ابن بطوطہ وقتی

بقلم مولانا طہ جون پوری صاحب

انتہائی عقیدت و احترام.کے ساتھ جب میں دیوبند پہنچا تو بکرے کے باڑے کے پاس ایک عظیم الشان مگر خستہ حالی کا شکار بابر کے زمانے کا قائم.کردہ گیٹ دیوان گیٹ ایستادہ تھا میں اس گیٹ کے داخلی دروازے سے گھس کر چند ثانیے کیں ہی خارجی ہوگیا پھر وہاں سے طیب مسجد کا گیٹ نظر آیا اور علامہ حسن باندوی علیہ الرحمہ کی یاد تازہ ہوگئی ان کی یاد میں گم تھا ہی کہ کسے کی آواز آئی پوری کچوری پانچ روپیے پلٹ کر دیکھا تو علامہ کے گھر سے متصل کسی اعظمی نے ہوٹل کھول رکھی ہے جیسے ادھر جھانکنے کی کوشش کیا باب قاسم اپنی شان و شوکت کے ساتھ کھڑا نظر آیا عقیدت و احترام کی تکمیل کا موقع آگیا اور باب قاسم سے گھس کر دارالعلوم.میں داخل ہوا

(اگلی قسط باب قاسم سے مدنی گیٹ تک انتجار.کریں)

بڑے حضرت کی بڑی باتیں

بقلم مولانا شفیع اللہ اعظمی قاسمی صاحب

لوگ بھول جاتے ہیں کہ جب جب ہم ماضی میں تحقیق کی جستجو کریں تب تب امت میں انتشار پیدا ہوگا۔اختلاف سے آپسی خلیج بڑھے گی ۔اجتہاد صرف حال و مستقبل میں پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے ہے بس ۔نہ جانے کیوں لوگوں کو ماضی کی اصلاح کا نشہ چڑھ جاتا ہے ۔امت کے سامنے اتنے بڑے پیمانے پہ نئے نئے مسائل در پیش ہیں ۔اس کو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئیے ۔اس دور پر فتن میں اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کا راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کرنی چاہیے ۔نہ کہ ماضی کی اصلاح کا بیڑا اٹھا کر امت کا بیڑا غرق کرنے پر آمادہ ہونا چاہئیے -----

بڑے حضرت کے بارے میں میری ریسرچ یہ کہتی ہے کہ بڑے حضرت بہت جلد دوسروں کی فکروں سے متاثر ہوجاتے ہیں ۔اس لئے ان کا موضوع ان کا انداز گفتگو سب بدلتا رہتا ہے ۔دیکھئیے کبھی سیاسی اصلاح کا بیڑا اٹھا لیتے ہیں کبھی دینی اور ملی ہر جگہ رہنا چاہتے ہیں ہر کام کرنا چاہتے ہیں جو ان کا نہیں ہے وہ بھی کرنا چاہتے ہیں ۔کوئی ایک میدان یا موضوع حضرت کا خاص نہیں ہے ۔ کبھی مورخ بننے کی کوشش کرتے ہیں کبھی محدث تو کبھی مفسر کبھی کنگ میکر بننے کی خواہش جنم لیتی ہے کبھی مصنف بننے کا سودا سما جاتا ہے کبھی خطیب وغیرہ وغیرہ ----
ہر جگہ پرچم لہرانے کی طرف رواں دواں رہتے ہیں ۔لیکن زمانہ گواہ ہے جب جب کچھ الگ کرنے کی کوشش کی تب تب امت کا بیڑا غرق ہوتا ہوا نظر آیا۔

تب تب اختلاف کی بدبو دار ہوا پھیلنے لگی اور معاشرہ بیمار ہونا شروع ہوگیا جب کہ ہمارا معاشرہ پہلے سے ہی بیمار ہے ۔۔اکابر علماء ندوہ و دیوبند کو ان سے صاف صاف بات کرنے کی ضرورت ہے ۔پتہ نہیں کیوں ان کو اتنی چھوٹ ملی ہوئی ہے سمجھ سے باہر ہے ۔۔۔۔

کہیں کی بولی کہیں کی گالی

بقلم ڈاکٹر ذاکر ندوی صاحب

یہاں سعودی عرب میں ایک معروف الزامل فیملی ہے،
اسی فیملی کے ایک وزیر تھے،
انکا مراکش کا سرکاری دورہ تھا،
ایک تقریب میں خطاب کا پروگرام تھا،
جب انکا تعارف الزامل کہ کے کراگیا تو پورا ہال قہقہ سے گونج اٹھا،
در اصل مراکش میں زامل بھڑوی کو کہتے ہیں،
نہ جانے کتنے شہزادے یہاں بندر ہیں،
کسی نم چیز کو ہم لوگ گیلا کہتے ہیں،
ملیشیا وانڈونیشیا میں کسی کو گیلا کہیں گے تو آپ پر چڑھ دوڑے گا،
وہاں گیلا پاگل کو کہاجاتا ہے۔

مخاطب کی مراد سمجھنا بہت ضروری ہے

بقلم ڈاکٹر ارشد اعظمی قاسمی صاحب

آج ایک مریض نے پوچھا ڈاکٹر آپ ہاتھ دیکھتے ہیں ؟؟
میں نے کہا نہیں مجھے اسکا علم نہیں ۔۔۔
وہ مایوس ہو گیا کچھ دور گیا پھر لوٹ کر آیا کہنے لگا ہاتھ میں چوٹ لگ گئ ہے ۔
میں نے کہا اوہ ہ ہ ہ
اسے دوا دیا وہ چلا گیا۔
میں سوچنے لگا مخاطب کی مراد سمجھنا بہت ضروری ہوتا ہے اس نے اپنے زخموں کو دکھانا چاہا اور میں نے " ہاتھ دیکھنے " کا مفہوم ہاتھ کی لکیریں دیکھنا سمجھ لیا
زندگی میں نہ جانے کتنے لوگوں کے جذبات ہم سمجھ نہیں پاتے انکی مرادوں تک ہماری رسائ نہیں ہوتی پرابلم یہ ہے کہ ہم نے اپنا لیول طے کرر کھا ہے امید یہ کرتے ہیں کہ مخاطب ہمارے لہجہ میں بات کرے ہمارے موافق الفاظ کا استعمال کرے ۔
جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ ہم مخاطب کے درجہ کو سمجھیں اسکے مقتضائے حال کو جانیں ۔
اسکی گفتگو کو صحیح رخ دینے کی کوشش کریں ۔
اگر ہم نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تو بہت سارے مسائل خود بخود ختم ہو جاینگے ۔

ایک لطیفہ

بقلم مولانا عبید اللہ اعظمی صاحب

جب میں اپنے استاذ الاستاذ حافظ محمد خلیل صاحب دامت برتہم
کے مدرسے میں حفظ پڑھا رہا تھا،
مدرسہ شہر سے دور تھا ،
کئی دنوں سے میری آنکھوں میں تکلیف تھی
دوا کے لئے مجھے شہر گونڈہ جانا تھا
جب میں نے حافظ صاحب مدظلہ سے اجازت لینی چاہی
اور بتایا کہ آنکھیں دکھانی ہے
تو انہوں نے ہنستے ہوئے اجازت دیدی اور فرمایا کہ
آپ آنکھیں دکھاتے ہیں؟

ایک قیمتی نصیحت

بقلم مولانا عبد الحمید نعمانی صاحب

آج کی اہم ترین ضرورت لوگوں خصوصاً نوجوانوں کو فکری و عملی طور پر احساس کمتری، مرعوبیت، خوف اور مایوسی سے نکالنا اور بچانا ہے، ارتداد میں بھی ان ہی باتوں کا دخل ہے،

گفتگو میں محاورہ سے واقفیت ضروری ہے

بقلم مفتی ارشد اعظمی صاحب

بہت ضروری ہے کہ آپ جس شخص سے گفتگو کر رہے ہیں وہ آپ کے محاورے وغیرہ سے واقف ہو اورآپ بھی اس کے محاورے اور مثل سے واقف ہو بہت پہلے کی بات ہے یہ ناچیز امارات سے عمرے پر جا رہا تھا جب بس سعودی عرب بارڈر پر پہنچی تو ایک خان صاحب نے کہا ابھی کتا آئے گا ابھی دیکھو کتا آئے گا ہمارے یہاں کچھ لوگ کتا کس معنیٰ میں بولتے ہیں یہ ہمیں لوگوں کو معلوم ہے دوسرے لوگ اس سے ناواقف ہیں اگرچہ ہمارا وہ بولنا صحیح نہیں ہے بہر حال جب خان صاحب نے کہا ابھی بس پر کتا آئے گا تو میں نے یہ سمجھ کر یہ پولیس کے بارے میں کہہ رہے ہیں میں نے ان کو نصیحت شروع کردی خان صاحب آپ عمرہ کرنے جارہے ہیں اللہ کے گھر جارہے ہیں مبارک سفر پر ہیں اور ایسی زبان بول رہے ہیں تو انہوں نے کہا کیا بولدیا یہی تو کہہ رہا ہوں کہ ابھی کتا آئے گا بہرحال میں یہ سوچ کر یہ خان ہیں نہیں مانیں گے خاموش ہو گیا تھوڑی دیر کے بعد واقعی ایک موٹا تازہ کتا پولیس والوں کے ساتھ آیا کتے کی مدد سے پورے بس کو چیک کیا گیا تب میری غلط فہمی دور ہوئی یعنی خان صاحب صحیح تھے میں ہی غلط تھا اگر میں اپنی آنکھوں سے یہ منظر نہ دیکھتا تو نہ جانے کتنے دنوں تک خان صاحب کے بارے میں غلط فہمی کا بلکہ بدگمانی کا شکار رہتا اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو ایک دوسرے کے جذبات اور صحیح بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

پاسبانی ، انمول موتی

بقلم :- پاسبانی صاحبان

زندگی میں سادگی اپناؤ جتنی سادہ تمہاری زندگی ہوگی اتنی پریشانیاں کم ہونگی_

ایم اے رشید صاحب

دوسروں کی زندگی میں آگ لگانے سے بہتر ہے اپنی زندگی پر توجہ دیں..

ایم اے رشید صاحب

تجربے اچھے برے نہیں ہوتے، انسان کے انداز فکر کا فرق ہوتا ہے۔

مولانا ڈاکٹر ذاکر ندوی صاحب

،، فی سبیل اللہ،، سے مراد نیکی وبھلائی کی صورتیں ہیں، اور ان میں سب سے مقدم اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے .

مولانا شفیق اعظمی قاسمی صاحب

چھوٹی چنگاری سے بھی بچاؤضروری ہے،بڑے بڑے محل بھی انہیں ذرا سی دکھنے والی چنگاریوں کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں

مولانا مفتی یاسر قاسمی صاحب

زندگی جب فن کی بلندیوں پر پہنچ جاتی ہے تو اس کے ذریعے رونما ہونے والے افعال وحرکات معتبر فن بن جاتے ہیں۔

مفتی شرف الدین عظیم قاسمی صاحب

یقین جانئے جس طرح دو پہلوانوں کی ٹکر سے فن کشتی کے مخفی نئے داؤ پیچ کھلتے ہیں اسی طرح جب اہل علم کا حسین ٹکراؤ ہوتا ہے روحانی مریضوں کے لئے نت نئے نسخہ شافی ملتے ہیں

مولانا منصور صاحب جونپوری

دنیا میں پیدا ہونے والا ہر انسان ایک فنکار ہے'اس کی ذات میں کوئی نہ کوئی ایسا جوہر موجود ہوتا ہے جس کے بارے میں خود اسے پتہ نہیں ہوتا ہے۔
مگر ان صلاحیتوں کے شجر کی نشوونما کی لئے ماحول میسر آجاتا ہے تو امتیازی شان کے ساتھ وقت کے پردے پر وہ انفرادی نقش قائم کرتا چلا جاتا ہے۔

مفتی شرف الدین عظیم قاسمی صاحب

صاف دل لوگ ہمیشہ ہر معاملہ میں سادگی پسند واقع ہوئے ہیں۔

مولانا ڈاکٹر ذاکر ندوی صاحب

جب انسان حسد کی بھٹی میں جل جاتا ہے، تو علماء حق کی بات اس کو ٹھنڈا نہیں کرپاتی ہے. اور وہ جل کر راکھ ہو جاتا ہے.
اللہم انا نعوذ بک من شر حاسد إذا حسد.

بقلم مولانا طہ جون پوری صاحب

ایک بات دو انداز

بقلم :- مولانا انور داؤدی قاسمی صاحب

ایک بادشاہ نے خواب دیکھا کہ میرے سارے دانت گر گئے
ایک نے تعبیر بتائ
بادشاہ سلامت!
آپ کی بیوی واولاد آپ کے سامنے مر جائے گی
بادشاہ غصہ ہوااور پھانسی پر لٹکا دیا
دوسرے کو بلایا
اس نے بھانپ لیا تھا
تعبیر بتایا
بادشاہ سلامت!
آپکی عمر آپکے گھر میں سب سے لمبی ہوگی
وااااااااہ اورانعام دیا

اس طرح کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے اہم سبق یہ ملتا ہے کہ
ہمیں مثبت سوچ وفکر کیساتھ آگے بڑھنا چاہئے
جیسے
آدھا گلاس پانی
اسے دو طرح کہا جا سکتا ہے
گلاس آدھا بھرا ہے
گلاس آدھا خالی ہے
دونوں نظریئہ درست ہے
لیکن 1 کو میں زیادہ نمبر دونگا کہ
اس نے آدھی نعمت ہی سہی کا تذکرہ کیا
یہی مثبت ہے

دیسیاعلاج

ماہنامہ روشنی اعظم گڑھ کے صفحات سے

بقلم :- مولانا انور داؤدی قاسمی صاحب

ہاتھوں اور چہرے کی جلد پھٹ جائے تو کیا کریں؟

ہاتھوں اور چہرے کی پھٹی جلد کے لئے ایک گلاس
عرق گلاب میں دو بڑے چمچے گلیسرین اور ایک لیموں
کا رس نچوڑ دیں۔ رات کو سوتے وقت چہرے ،ہاتھ اور پاؤں
کی پھٹی جلد پر مل لیں
ان شاءاللہ جلد نرم ہو جائے گی۔

دھوپ میں اگر رنگ کالا ہو جائے تو یہ کریں

کھیرے کا رس تھوڑے سے دودھ میں
ملا کر روئی سے ہاتھوں اور چہرے پر لگائیں،
پندرہ منٹ بعد صابن سے ہاتھ منہ دھو لیں۔
اور اگر چھوٹا بچہ ہے تو
کچا دودھ آدھی پیالی میں ایک لیموں کا رس ملا کر چہرے پر لیپ کریں اس سے
رنگ صاف اور کھلا کھلا ہو جائیگا

پروانے اور پتنگوں سے بچاؤ

موسم برسات میں اکثر بلب یا ٹیوب لائٹ کی روشنی کے چاروں طرف
پروانے ، پتنگے اکٹھا ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے کمرے یا دوکان وغیرہ میں بیٹھنا
محال ہو جاتا ہے ایسی صورتحال میں ایک پیاز کاٹ کر اس کے ٹکڑے کسی دھاگے
کی مدد سے بلب کے پاس لٹکا دیں ۔ اس طرح سارے کیڑے بھاگ جائیں گے

پان کا دھبہ چھڑائیں

تھوڑا سا ابلا ہوا دودھ لیکر داغ دھبے والی جگہ کو رگڑیئے دھبے دور ہو جائیں گے
پان کی پیک کا داغ پیاز کے باریک چورے کے ملنے سے بھی دور ہو جاتا ہے

بچھو کے ڈنک کا اثر ختم کریں

بچھو کی دم میں ایک خم دار ڈنک ہوتا ہے اس کے ذریعہ وہ زہر بدن میں داخل
کر دیتا ہے
جس سے سخت جلن اور درد ہوتا ہے اسکے کاٹنے سے متلی آتی ہے قئے ہو جاتی
ہے ، سر میں تیز درد ہوتا ہے اور سانس تیز چلنے لگتی ہے
ڈنک مارنے کی جگہ کے تھوڑا سا اوپر کسی چیز سے باندھ دیجئے اور ڈنک مارنے کی جگہ
پر برف کو کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دیں تاکہ درد کم ہو اور زہر نہ پھیلے
اور قریبی ڈاکٹر سے رابطہ کریئے

حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کا ایک معمول
ماخوذ از تین بڑوں کے تین کام

بقلم :- مولانا فصل محمود فلاحی صاحب

عام مخلوق کے قلوب کی اندرونی بے عنوانیوں اور بے اصولیوں سے آپ کا قلب صافی مکدر ھوجایا کرتا تھا.. جسکی اصلاح کے لئے آپ خانقاہ قادریہ رائے پور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر کی خدمت میں یا خانقاہ خلیلیہ سھارنپور مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی کی خدمت میں تشریف لاکر اپنے دل و دماغ کو غسل صحت دیتے اور ان اثرات سے پاک کرتے تھے .... اس سلسلہ میں خود ارشاد فرماتے ھیں کہ:

مجھے جب بھی میوات جانا ھوتا ھے تو میں ھمیشہ اھل خیر اور اھل ذکر کے مجمع کے ساتھ جاتا ھوں.. پھر بھی عمومی اختلاط سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ھوجاتی ھے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعہ اس کو غسل نہ دوں یا چند دن کے لئے سہارنپور یا رائے پور کے خاص مجمع اور خاص ماحول میں جاکر نہ رھوں قلب اپنی حالت پر نہیں آتا...

دوسروں سے بھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ :

دین کے کام میں پھرنے والوں کو چاھئے کہ گشت اور چلت پھرت کے طبعی اثرات کو خلوتوں کے ذکر و فکر کے ذریعہ دھویا کرو...

اس دعوتی کام کو خالص قرآن و سنت کے نہج پر باقی رکھنے کے لئے جہاں آپ نے بہت سی تدابیر اختیار فرمائیں اس کو بھی ضروری سمجھا کہ اس میں اقوال کے بجائے اعمال کی کثرت ھو کیونکہ ضرورت سے زیادہ بڑھ چڑھ کر باتیں اس کے عمل کو مکدر کردیں گی ...

چنانچہ مخدومنا حضرت شیخ کو اپنے ایک مکتوب میں اسی مقصد سے دعاؤں کی درخواست اس طرح فرماتے ھیں!

میں بہت ھی دل و ایمان سے متمنی ھوں کہ بہت ھی اھتمام کے ساتھ ھمت کو لگا کر یہ دعاء کریں کہ میری یہ تحریک سراسر عمل ھو... اقوال کی کثرت اس کے عمل کو مکدر نہ کرے بلکہ قول اور تقریر قدرِ ضرورت اعانت کے درجہ میں رھے ...

تین بڑوں کے تین کام
(ص/ 46/47)

اخوت و محبت

بقلم :- مولانا شفیق قاسمی اعظمی

،،المسلم اٰخو المسلم لا یظلمہ ولایخذلہ ولایحقرہ (رواہ مسلم)

(مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو بے یار و مدد گار چھوڑتا ہے اور نہ ہی اس کی تذلیل و تحقیر کرتا ہے)

اسی اسلامی اخوت و محبت اور تمام قوموں اور ملتوں کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے اور تمام نسلی و خاندانی امتیاز کو ختم کرکے ایک نظریہ توحید پر متحد کرنے کی اسلامی تحریک کے بارے میں مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

،،اس سے معلوم ہوا کہ دین اسلام سب کا حق اور تمام اقوام و ملل ،تمام قومیتوں اور تمام نسلوں ،تمام خاندانوں و خانوادوں اور تمام ملکوں و خطوں کی دولت مشترکہ اور اجتماعی میراث ہے اس میں یہودی اور ہندو برہمنوں جیسی درجہ بندی نہیں، اس میں کوئی قوم دوسری قوم سے ، کوئی نسل دوسری نسل سے ممتاز و برتر نہیں اس میں رنگ ونسل کا کوئی امتیاز نہیں ،بلکہ یہاں شمار شوق وذوق ،حسن قبول وطلب، قدر دانی و احسان شناسی اور دین وتقوی میں مسابقت و مقابلہ کا ہے (منصب نبوت اور دیں کے بلندپایہ حاملین از علی میاں)

اللہ تعالی نے مسلمانوں کی باہمی محبت و رحمدلی اور ان کی اخوت و محبت کا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بہت لطیف پرایہ میں کیا ہے بلکہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) کی خاص شناخت قرار دی ہے ۔

رنگ ونسل ، قوم و خاندان اور وطن و علاقہ کے فرق وتفاوت سے بلند ہوکر محض اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرنا اور رحمدلی کا معاملہ کرنا،بارگاہ نبوت کے فیض یافتہ صحابہ کرام کی پہچان تھی وہ اللہ واحد کی کی بندگی میں ایک فکر و نیت کے حامل افراد تھے اللہ کی رضا طلبی ان کا مشن تھا اور جو اس طلب میں جتنا فائق ولائق ہوتا تھا خواہ کسی بھی رنگ و روپ کا ھو سب کے نزدیک محترم و معزز اور برگزیدہ شمار ہوتا تھا اور اس کی قدر کی جاتی تھی ،بات مانی جاتی تھی۔

مختصر یہ کہ صحابہ کرام بلا تفریق قوم و قبیلہ اسلامی وحدت کا اعلی ترین نمونہ تھے ،مساوات کی باد بہاری چلتی تھی اور رواداری کی فضا قائم تھی ،اخوت و محبت کی روح کار فرما تھی لھذا اس معاشرہ میں اللہ کی رحمت ٹوٹ کر برستی تھی ۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھو کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گرانمایاں کیا کئے

بقلم ڈاکٹر ذاکر ندوی صاحب

بقول شورش کاشمیری "مولانا آزاد (رحمۃ اللہ علیہ) محض سیاست داں ہوتے تو ممکن تھا حالات سے سمجھوتہ کر لیتے، لیکن شدید احساسات کے انسان تھے، اپنے دور کے سب سے بڑے ادیب، ایک عصری خطیب، ایک عظیم مفکر اور عالم متبحر، ان لوگوں میں سے نہیں تھے ، جو اپنے لئے سوچتے ہیں، وہ انسان کے مستقبل پر سوچتے تھے، انہیں غلام ہندوستان نے پیدا کیا اور آزاد ہندوستان کیلئے جی رہے تھے، ایک عمر آزادی کی جدوجہد میں بسر کی اور جب ہندوستان آزاد ہوا تو اس کا نقشہ ان کی منشا کے مطابق نہ تھا، وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے سامنے خون کا ایک سمندر ہے، اور وہ اس کے کنارے پر کھڑے ہیں، ان کا دل بیگانوں سے زیادہ یگانوں کے چرکوں سے مجروح تھا، انہیں مسلمانوں نے سالہا سال اپنی زبان درازیوں سے زخم لگائے اور ان تمام حادثوں کو اپنے دل پر گذارتے رہے"۔

عام طور پر آزاد کے سوانح نگار انکی مندرجہ بالا خصوصیات کا تذکرہ بڑے طمطراق سے کرتے ہیں، انکی زندگی کے ان ہشت پہلوؤں پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، اس عبقری عالم شخصیت کی زندگی کا میرے نزدیک ایک ایسا پوشیدہ پہلوا بھی ہے جس تعلق سے بہت کم لکھا اور کہا گیا، وہ ہے انکا تجدید ایمان، دین آباء سے بغاوت، سجادہ نشینی کو ٹھوکر مارنا.

مولانا ابو الکلام آزادؔ ایک دین دار گھرانے کے چشم وچراغ تھے۔ ان کے اجداد کے بلند پایہ اخلاق اور عزیمتِ دعوت کا مقام تاریخ میں بے مثال ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ابتداءً اپنے مطالعے کے ایک دور میں نہ صرف مذاہبِ عالم کی سچائی سے ناآشنا ہو گئے تھے، بلکہ اسلام کی حقیقت سے بھی گریزاں ہوئے تھے۔ خود آزاد ایک موقع پر گمراہیٔ عمل اور تصدیق حقائق کے بارے میں لکھتے ہیں:

"گمراہیٔ عمل کی آخری حد 'فسق' ہے اور گمراہیٔ اعتقاد کی 'الحاد'۔ سو فسق و الحاد کی کوئی قسم ایسی نہ تھی جس سے اپنا نامۂ اعمال خالی رہا ہو، اور 'فسق' خود بھی ایک کامل قسم کا عملی الحاد ہے:

چو پُرسشِ گنہم روزِ حشر خواہد شد تمسکاتِ گناہانِ خلق پار کنند!

قبل اس کے کہ ہم پر شہادت دی جائے، بہتر ہے کہ خود آپ ہی اپنے لیے شاہد بن جائیں: ﴿اقرَاْ کِتٰبَکَ کَفٰی بِنَفسِکَ الیَومَ عَلَیکَ حَسِیبًا ﴿۱۴﴾﴾...

اور توفیق الٰہی کے بارے میں فرماتے ہیں:
"ناگہاں جاذبۂ توفیق الٰہی پردۂ عشق مجاز میں نمودار ہوا، اور ہوس پرستی کی آوارگیوں نے خود بخود شاہراہِ عشق و محبت تک پہنچا دیا۔ آگ لگتی ہے تو رفتہ رفتہ شعلے بھڑکتے ہیں۔ سیلاب آتا ہے، تو بتدریج پھیلتا ہے۔ یہ تو ایک بجلی تھی جو آناً فاناً نمودار ہوئی، چمکی اور دیکھا تو خاک کا ڈھیر تھا".

آزاد کے والد مولانا خیر الدیں اپنے عہد کے مقبول عام پیر تھے، ہر وقت آستانے پر مریدیں کا تانتا بندھا رہتا تھا، چھوٹے بیٹے کی فقید المثال ذہانت کو دیکھتے ہوئے وہ چاہتے تھے کہ اپنے اس ہونہار جگر گوشے کو مذہبی وراثت سونپ دیں، مگر آزاد مذہب نا آشنائی کے مرحلے سے گذر کر ایسا کندن بن چکے تھے کہ انہیں یقیں ہوچلا تھا کہ مسلمانوں کی زندگی و سعادت کے لیے سر چشمۂ حیات حقیقتِ قرآنی کا انبعاث ہے لہذا انہوں نے کوشش شروع کردی کہ اس کے فہم و بصیرت کا دروازہ ان پر کھل جائے۔ ایک جگہ رقم طراز ہیں:

"میں ترجمان القرآن شائع کرتے ہوئے محسوس کرتا ہوں کہ اس بارے میں جوکچھ میرا فرض تھا، توفیق الٰہی کی دستیابی سے میں نے ادا کر دیا۔ اب اس کے بعد جو کچھ ہے مسلمانوں کا فرض، اور یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ انھیں فرض ادا کرنے کی توفیق دے :

حدیث عشق و سر مستی ز من بشنو نہ ازواعظ
کہ باجام و سبو ہر شب قرین ماہ وپروینم !

﴿ماكَانَ حَدِيثًا يُفْتَرىٰ وَلٰكِنۡ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيۡءٍ وَهُدًى وَرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُؤۡمِنُونَ ﴿١١١﴾﴾.

غالبا قرآن سے عشق اور اسکی آیات میں تدبر کا ہی اثر تھا کہ والد مرحوم کی مروجہ مذہبی وراثت کی جانشیںی کو یہ کہکر ٹھکرا دیا:

"آپ کی جانشینی کے لیے اور خاندانی منصب قائم رکھنے کے لیے بھائی (مولوی غلام یاسین آہ) موجود ہیں۔ مجھے لوگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے اور پیر بنانے سے تکلیف ہوتی ہے، میں اپنے کو اس لائق نہیں سمجھتا۔ میری التجا ہے کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا جائے!"

آج آزاد مجھے بہت یاد آئے، وہ مظلوم آزاد جس کا یوم ولادت ویوم وفات ہر طبقہ بڑے جوش وخروش سے مناتا ہے، وہ مظلوم آزاد جسے علی کے گڈھ لونڈوں نے وہ کچھ دکھایا جو معصوم بچے بھی دکھاتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہیں، وہ مظلوم آزاد جسے مذہبی طبقہ نے مطعون کیا تو دوسری طرف سیکورازم کے علمبردار انکے دوستوں نے بھی انہیں ڈنسا، مگر قربان جانئے اخلاص وعزیمت کے اس پہاڑ پر کہ اپنی قوم کی بھلائی کے لئے سب کچھ سہتا رہا، کبھی اف تک نہ کیا، یقیں جانئے اگرانہیں امام الہند مان لیا گیا ہوتا آج ہندوستانی مسلمانوں کو ہر در پر کاسہ لیسی کرنے کی نوبت نہ آتی، بر صغیر کا سیاسی منظر نامہ کچھ اور ہی ہوتا. خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را.
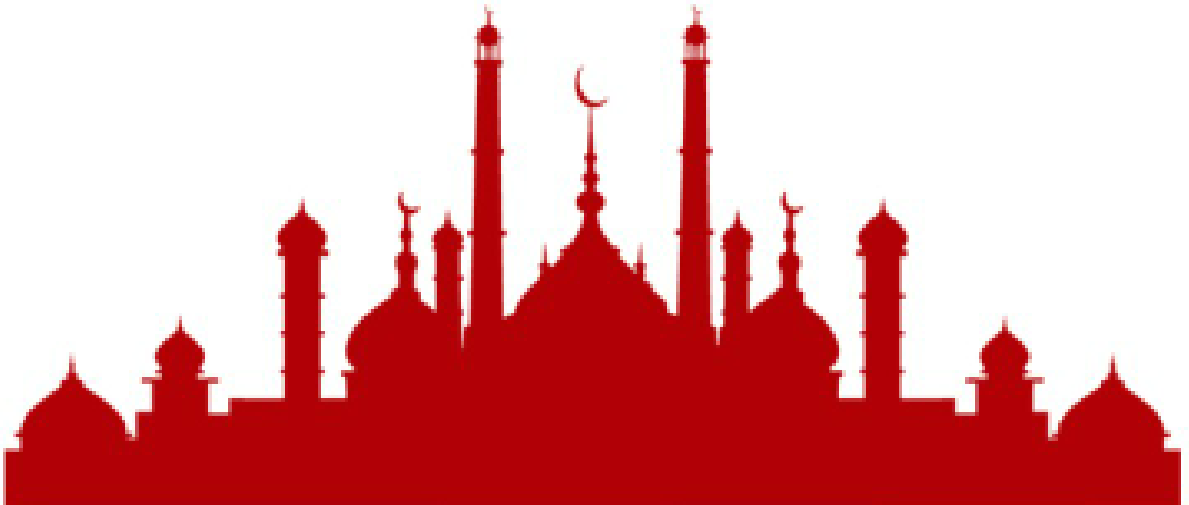
جنازہ کی نماز تین بجے ۔۔۔۔۔۔

بقلم ڈاکٹر ارشد اعظمی قاسمی صاحب

یہ بھی ایک سمجھنے اور برتنے کی چیز ہے ۔ نمازِ جنازہ کے لئے ایسا وقت مقرر کرنا چاہئے جس میں زیادہ لوگوں کی حاضری ممکن ہو ۔ تاکہ میت کے لئے بکثرت مغفرت کی دعا ہوسکے اور حاضرین قبر کو دیکھ کر موت کو یاد کرسکیں عبرت کا سامان حاصل کرسکیں ۔ میرے مشاہدہ کے مطابق اس کے لئے کسی نماز کے بعد کا متصلا وقت سب سے مناسب ہوتا ہے ۔ اسی بہانے لوگ اس وقت کی نماز بھی ادا کر لیتے ہیں اور اسی وضوء سے نمازِ جنازہ بھی پڑھ لیتے ہیں نیز کاروباری لوگ بھی نماز کے لئے آتے ہیں ساتھ ساتھ جنازہ میں بھی شامل ہوجاتے ہیں ۔۔
اب تین بجے کا وقت نہ تو نماز کا وقت ہے اور نہ ہی فراغت کا ۔ کمزور اعصاب کے لوگ ظہر کا وضوء کھو چکے ہونگے ۔ نئے سرے سے وضوء کرنے کی مشقت سے بچنے کے لئے لوگ جنازہ ہی ترک کردیتے ہیں ۔ اس لئے نمازِ جنازہ کے وقت کی تعیین کرتے ہوئے ان نزاکتوں کا دھیان دینا چاہئے الا یہ کہ کوئ عذر ہو ۔
اب نہ پہلے کی طرح لوگوں کے پاس وقت ہے نہ دینی امور سے رغبت ۔ نہ اپنے بھائ کی مغفرت کی طلب اور نہ ہی حقوق کی ادائگی کا پاس و لحاظ ۔۔۔
میری یہ رائے میرے مشاہدہ پر مبنی ہے لوگوں کو اس سے اختلاف ہوسکتا ہے ۔

مذہبی خانہ جنگی کی طرف بڑھتے ہمارے قدم

بقلم مولانا طہ جون پوری صاحب

انسانی مزاج کا یہ خاصہ ہے ، کہ جو چیز اس کے موافق ہوتی ہے، اس کو بہ سرو چشم قبول کرلیتاہے۔ اور جو چیزاس کے مزاج سے ٹکراتی ہے،اس کو پیروں تلے روند دیتاہے۔ لیکن ، آفریں صد آفریں! اِس دین متین نے ،انسانی مزاج کو اس پیغام (ما آتاکم الرسولُ فخذوہ وَ مَا نَھٰکُم عنہ فانتھوا، کہ رسول ﷺ جو حکم دیں اس کو کرڈالو اور جس چیزسے روکدیں، اس سے باز آجاؤ) کے ذریعہ بدل ڈالا۔ یعنی یہ پیغام یہ دیا، کہ کسی چیز کے قبول و انکار کی بنیاد، مزاج نہیں ہونا چاہیے، بلکہ پیغامِ ربانی ہونا چاہیے۔ جس کی تشریح اور توضیح حضور ﷺ نے کما حقہ کی، آپ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنھم، تابعین، تبع تابعین اور پھر محدثین، اصولیین، فقہاء، علماء وغیرہم نے اسی خدمت کو انجام دیا۔

لیکن افسوس! آج ایک بڑاطبقہ، پھراسی مزاج کا پیروکار بننے کی طرف سرپٹ بھاگ رہا ہے اور اپنے مزاج کے موافق زندگی گذارنے کے لیے، ہرقسم کی تأویلات کا سہارا لے رہا ہے۔ امر مستزاد یہ، کہ اس کو گویامذہب کاحصہ گردانے کی تگ و دو میں لگا ہوا ہے۔جب اس کے سامنے شریعت کی بات کی جاتی ہے، اور دین متین کاحوالہ دیاجاتا ہے، تو وہ اپنے مزاج کےموافق اُس کا جواب دیتا ہے اور پھر اُسی پر عمل پیرا ہوجاتاہے۔ بسا اوقات تو یہ بھی دیکھا جاتا ہے، کہ وہ شریعت کے مسلمہ اصولوں مثلاً اجماع و قیاس کو بھی ٹھکرادیتاہے۔ جس کی وجہ سے طویل فقہی مباحث اور علمی تعاقب کا دروازہ وا ہوتاہے۔

فقہی مباحث اور علمی تعاقب تو امر محمود ہیں، لیکن جب اس میں بھی مزاج کی بات آتی ہے، تو پھر یہ سلسلہ ایک ایسے راہ پر چل پڑتا ہے، جو نفس مذہب کی طرف لے چلتا ہے،(حالانکہ یہ بھی مذہب کا ہی حصہ ہیں) اور وہ انتہائی بھیانک نقصان پر منتج ہوتا ہے اور قومیں تباہ ہوجاتی ہیں۔شاید ہماری صورتحال کچھ ایسی ہی بنتی چلی جارہی ہے۔ کسی بھی موضوع پر ،جہاں گفتگو شروع ہوئی، بس اللہ ہی خیر کرے، معاملہ اس حد تک پہونچ جاتا ہے، کہ قلم اس کی منظر کشی سے عاجز ہے۔سوشل میڈیا کے اس دور میں؛ ٹیلی گرام، واٹس ایپ، فیس بک اور ٹوئیٹر وغیرہ پر یہ چیزیں دیکھنے کو مل رہی ہیں اور روزآنہ ہم سب اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم میں کچھ ایسے ہی ہوا تھا۔جہاں مذہب سے متعلق بحث و مباحثہ شروع ہوا، تو پھر پورا ملک خانہ جنگی کا شکار ہوگیا تھا۔چناں چہ عالمِ اسلام کے ممتاز قلم کار، مفکر اسلام حضرت مولا علی میاں ندویؒ رقمطراز ہیں

’’پھر نفس مذہب سے متعلق کلامی مباحث اُبھر آئےاور بے نتیجہ اختلافات کی شورش نے قوم کو الجھادیا، جس میں اُن کی ذہانتیں ضائع ہوئیں اور قوائے عملیہ شل ہوگئے۔ بیشتر ان خانہ جنگیوں نے بڑےپیمانے پر خونی معرکے کی شکل اختیار کرلی، مدارس، کلیسااور لوگوں کے مکانات حریف کیمپ بن گئے تھے۔ اور پورے کاپورا ملک خانہ جنگی(Civil War) کا شکار تھا۔بحث یہ تھی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی فطرت کیا تھی اور اُس میں الٰہی اور بشری جُز کس تناسب سے ہیں؟

’’روم وشام‘‘ کے ’’ملکانی‘‘ (Malkite) عیسائیوں کا مذہب یہ تھا، کہ حضرت عیسیٰؑ کی فطرت مرکب ہے، اُس میں ایک جُز الٰہی ہےاور ایک بشری ، لیکن ’’مصر‘‘ کے(Monophysites) ’’مونوفیزٹ‘‘ عیسائیوں کااصرار تھا،

کہ حضرت مسیحؑ کی فطرت خاص الٰہی ہے۔ اس میں اُن کی فطرت بشری اس طرح فنا ہوگئی ہے، جیسے سرکہ کا ایک قطرہ سمندر میں پڑکر اپنی ہستی کو گم کردیتا ہے۔ پہلا مسلک گویاحکومت کا سرکاری مسلک تھا۔ بازنطینی سلاطین و اہل حکومت نے، اس کوعام کرنے اور پوری مملکت کاواحد مذہب بنانے میں پوری قوت صرف کی۔ اور مخالفینِ مذہب (مبتدعین) کو سخت ترین سزائیں دیں، جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، مگر اختلاف اور مذہبی کشاکش بڑھتی ہی رہی۔دونوں فریق ایک دوسرے کوایسا ہی خارج از مذہب اور بد دین سمجھتے تھے ،جیسے دو متضاد مذہب کے پیروکار، ''قیرس'' (Cyrus) کی نیابت ''مصر'' کے دس سال ۱۳۱ ۶ تا ۴۱ ۶ء (631 تا 641) کی تاریخ وحشیانہ سزاؤں اور لرزہ خیزمظالم کی داستانوں سے لبریز ہے''۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کااثر، صفحہ ۳۶/۳۵، مجلس نشریات اسلام ا۔کے۔3۔ ناظم آباد مینشن۔ناظم آباد--1 کراچی۱۸/۴/۷)

اس تحریر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ یہ صورتحال پہلے ہی دن نہیں ہوگئی ہوگی، بلکہ اس کے لیے کافی وقت لگا ہوگا۔ ہر جگہ اور ہر محفل میں مباحث کابازار گرم ہواہوگا، جس نے افکار و خیالات کو مضطرب وبے چین کردیا۔پھر بات مذہب تک پہونچی اور نتیجہ یہ نکلا، کہ خون کی ندیاں بہ پڑیں۔

اس لیے گفتگو سے پہلے ہمیں سوچناچاہیے، کہ اس کا نتیجہ مستقبل میں کیا ہوگا؟ کیا ان بحثوں سے ہماری صفیں باقی رہیں گی یاٹوٹ جائیں گی؟ کیاان بیکار اور لایعنی مباحثوں سے، محبت کابیج بویا جائے گا یانفرت کا زہر پلایا جائے گا؟

کیااس کی وجہ سے ہم بھی ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائیں گے؟ کیا ہم بھی اس خانہ جنگی کا شکار ہوں گے؟ فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اپنے ضمیر پر ہاتھ رکھیے اور سوال کریے ، کہ آپ کے ان اعمال سے امت کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟؟؟؟؟

اللہ ہم سب کو عقل سلیم عطاء فرمائے۔ من چاہی کے بجائے رب چاہی زندگی نصیب فرمائے۔ لایعنی مباحثوں سے دور رکھے۔
آمین ثم آمین یارب العالمین

نظم ۔۔۔ بقلم :- مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی ۔ دیوبند الھند

تو جو آہن ہے تو پھر سیکھ لے خنجر ہونا
عیب ہے عیب، کسی خاک کا بنجر ہونا

مال بھی ہاتھ لگا، زہد بھی میلا نہ ہوا
آج کے دور کا اک فن ہے گداگر ہونا

عہدِ طفلی میں جبیں اسکی چمک جاتی ہے
جسکی قسمت میں لکھا ہو مہ و اختر ہونا

یہ کسی عہد میں تھا کارِ عبادت، لیکن
اب تجارت ہے کسی قوم کا رہبر ہونا

بے سبب موج کی مانند تعلّی مت کر!
مالداری ہے خموشی میں سمندر ہونا

بانکپن تخت نشینوں کا بتاتا ہے ہمیں
بن گیا فخر کا سامان ستم گر ہونا

کجکلاہوں پہ جو غالب ہو طبیعت کا فساد
فرض ہو جاتا ہے شیشے پہ بھی پتھر ہونا

وہ کبھی شیخ کا فیضان نہیں پاسکتا
جس نے سیکھا ہی نہیں بیٹھ کے ساغر ہونا

ہے یہ تقسیمِ خدا، اس پہ ہی راضی ہو جا
قہر ہے چاند کا سورج کے برابر ہونا

مولانا فضیل احمد ناصری کا شعری امتیاز

بقلم :- مفتی شرف الدین عظیم قاسمی صاحب

نظم و شعر کی صلاحیت کسبی نہیں بلکہ وہبی ہوتی ہیں
مولانا فضیل احمد ناصری صاحب کے رگ و پے میں یہ صلاحیت لا محدود مقدار میں پنہاں ہے'۔
اپنے احساسات کو شعری پیکر میں ڈھال کر غزلوں اور نظموں کے دامن کو وسعتوں سے ہم کنار کرنے والے بے شمار شعراء وقت اردو کے کینوس پر نظر آتے ہیں جو سمندر کی سطح پر پانی کے بلبلوں کے مانند ابھرتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں۔
بے مقصد شاعروں کی اس بھیڑ میں ایک بامقصد،شعور وادراک اور درد وتڑپ اور علم و آگہی سے معمور رات کی تاریکیوں میں ماہتاب کی طرح چمکتی ہوئی ایک شعری کائنات نظر آتی ہے اور بلاشبہ اس کائنات کا حاکم مولانا فضیل احمد ناصری ہیں'

جنھوں نے اپنی خوبصورت نفع بخش شعری تخلیقات کی ایک تاریخ رقم کی ہے'۔
ان کی تخلیقات کے حسن ان کے اسلوب ان کی جدت و ندرت پر مستقل تحریریں منصہ شہود پر آتی رہی ہیں'
لیکن ان کی شعری خصوصیات میں یہ صفت بھی بہت نمایاں ہے کہ مشاہدات و تجربات اس قدر تیز رفتاری سے اشعار کا لباس پہنتے ہیں کہ حیرت کی انتہا نہیں رہتی،

زیر نظر یہ غزل اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ مختصر سے عرصے میں دوسو نظمیں منظر عام پر آگئیں اس میں جہاں آپ کے مشاہدات کی گہرائیوں اور تخیل کی فلک رسا پروازوں کا دخل ہے وہیں اس کائنات کی تخلیق وتزئین آپ کی خداداد استعداد کا نتیجہ ہے۔

یقیناً اس صفت زریں میں مولانا کا اس عہد میں کوئی شریک وسہیم نہیں ہے شعری سفر کی اس کامیاب اور بلند ترین منزل کی رسائی پر اس عظیم اور فن اقبال کو تازگی اور وسعت عطا کرنے والے بے باک شاعر کو نجوم آسماں کے مانند مبارکباد۔

نظم

بقلم :- مولانا غفران شکیل ندوی بستوی

نہ ہوتے جذبے سینے میں نہ پھر غم کا بیاں ہوتا
سمندر غم کا ہم رکھتے مگر دل میں نہاں ہوتا
بجز اس کے اگر دل میں تمنا کوئی نہ ہوتی
نہ جانے کتنے پہلے ہی یہ ذرہ آس ماں ہوتا
اگر رشتہ مرا اس کا ذرا مضبوط سا ہوتا
گرج بادل کی میں رکھتا کوئی آتش فشاں ہوتا
میری شوکت نہیں جاتی نہ ذلت میرے سر آتی
اگر دل میں مکیں میرے وہ رب لامکاں ہوتا
ادھر حرکت ہے ہر لمحہ ادھر غفلت کے پردے ہیں
اگر سینے میں دل ہوتا تو احساس زیاں ہوتا
سنبھالے کاش تم ہوتے وراثت اپنے آباء کی
ستاروں پر کوئی تیرا بھی اپنا آشیاں ہوتا
تیرے ساز محبت سے ذرا تسکین نہ ملتی
میں اتنا سوز میں جلتا نہیں میرا نشاں ہوتا
شب دیجور میں بھی وہ نگاہ دید رکھتا ہے
اگر تو شوق دکھلاتا تیری خاطر عیاں ہوتا

آیئے چلڈرین ڈے پر عہد کریں

بقلم ڈاکٹر ارشد اعظمی قاسمی صاحب

عہد کریں اپنے بچوں کو دشمن سے بچاینگے ایسا دشمن جو بچوں کی صحت کو نقصان پہونچاتا ہے ۔
جو بچوں کی قوتِ حافظہ پر اثرانداز ہوتا ہے۔
جو آپ کے لختِ جگر کو کینسر جیسے مہلک امراض میں مبتلاء کرتا ہے ۔
جو آپ کے نوخیزوں کو بے حیا بناتا ہے ۔
مخرب اخلاق برایوں میں مبتلا کرتا ہے ۔
آپ کے معصوموں کو فحاشی کے اڈوں تک لیجاتا ہے ۔
غیر قانونی سرگرمیوں تک راہ ھموار کرتا ہے ۔
جس سے آپ کے نورِ نظر کی سب سے قیمتی شئے ایمان کو خطرہ ہے ۔
وقت کی بربادی کا سب سے بڑا سبب ہے ۔
اسکی تعلیمی ، تربیتی ، جسمانی ترقی کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے ۔
کیا آپ جانتے ہیں وہ دشمن کون ہے ؟؟؟
جی ہاں آپ جانتے ہیں وہ خطرناک دشمن موبایل ہے ۔ جس کی لت نے نوجوانوں کو تباہی کے دہانے تک پہونچا دیا ہے ۔
آیئے عہد کریں سترہ سال کی عمر سے پہلے اپنے بچوں کے ہاتھوں میں ملٹی میڈیا *موبایل* کا زہر نہیں دینگے ۔

چلڈرن ڈے : ایک پیغام والدین کے نام

بقلم ڈاکٹر فخرالدین وحید قاسمی صاحب

ہماری زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہماری اولاد ہیں. آیئے چلڈرن ڈے کے موقع پر ہم سب یہ عہد کریں کہ ہم اپنی اولاد کو بہتر بنانے اور سنوارنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کردیں گے. انہیں وقت دیں گے, محبت دیں گے, عزت دیں گے, ان کی حوصلہ افزائی کریں گے, تعریف کریں گے, مدد کریں گے, انہیں سنیں گے, ان سے بات کریں گے,ان کا ساتھ دیں گے, وہ گریں گے تو ہم نصیحت اور ڈانٹ کے بجائے انہیں پیار سے اٹھاکر کہیں گے بیٹا چوٹ تو نہیں لگی, وہ راہ بھٹکیں گے تو ہم انہیں راستہ بتانے کے بجائے مشعل راہ بن کر انہیں راستہ دکھائیں گے, ان کی زندگی میں کسی طرح کی ان چاہی عادتوں کو دیکھتے ہی ایک مالی کی طرح بڑی محبت وپیار سے ان کی تراش وخراش کریں گے کہ یہی ہمارے چمن کے پھول ہیں اور انہی کی خوشبو ہماری پہچان ہے.

یہ بات یاد رکھیں کہ انسان کی کامیابی کا دار ومدار علم سے زیادہ تربیت پر منحصر ہے. تربیت سے ہی شخصیت سازی ہوتی ہے اور تربیت خلوص اور قربانی چاہتی ہے. تازہ پودا جبھی اگتا ہے جب ایک بیج اپنے آپ کو قربان کرتا ہے. تازہ دم نسل اسی وقت تیار ہوتی ہے جب بالکل خاموشی اور مکمل اہتمام سے والدین ایک کمہار کا رول ادا کرتے ہیں.

موجودہ حالات کا تقاضا اور ہماری اولاد کا حق ہے کہ ہم سچے, مخلص اور فکرمند والدین کی طرح نہ سہی, توکم از کم ایک مالی اور کمہار کی طرح ہی اپنی اولاد کی فکر کریں. آخر اشرف المخلوقات کی پرورش وپرداخت, علم وتربیت سے اس قدر بے توجہی کیوں؟